© rasailojaraid.com

''حقِ مہر'' کی حقیقت اور مسلم خاندانی نظام کا داخلی ارتباط

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی: اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی E-mail: dr_ma_saqi@yahoo.com

Abstract

The MEHR is an Islamic term used in Fiqh. Same word is not used by the Holy Quraan Itself. Instead of this the holy Quraan mentions as AMWAL () and SADOQUAT () etc. it is an asset or property that a woman gains from her Groom while marrying him. It is not a gift. even it is not optional. The Holy Quraan makes this mehr a unavoidable and necessary thing to merry a woman. Under the light of The Holy Quraan taking over a hand of woman without mehr is strictly prohibited activity. (Al-Ahzaab:50) The MEHR is real base of Family System in Islam. The finding of this study is that a woman while marrying a man surrenders her freedom of giving her hand to any other person and becomes underhand to her husband. And it makes a sound and strong family system under the teaching of Islam.

اللہ رب ذوالجلال نے اپنے محبوب مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کی تشکیل اپنے خاص سایہ عظمت و جلال میں عالمگیریت کے اصول پر فرمائی ہے۔ یہ نعمتِ خاص، انسان اور انسانی معاشرت کی تکمیل کرتی ہے اور فی نفسہٖ انسانیت کی معراج ہے۔ بناء بریں یہ کرمِ خاص اس خیر امت کا خصوصی اعزاز ہے جو پچھلی امتوں کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ پچھلے وقتوں میں انسان اپنے ہم قبیلہ و ہم نسل افراد سے ہی جڑا رہتا تھا۔ یہ چیز عالمگیریت کے اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پچھلے وقتوں میں انسان اس لائق بھی نہیں تھا کہ عالمگیریت کے اصولوں اور تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ ''حقِ مہر'' کی حقیقت اور مسلم خاندانی نظام کا داخلی ارتباط کے زیرِ عنوان اسی تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔ یہ مقالہ، مسلم معاشرے میں ربط و ضبط کی بنیاد کو کھوجنے اور اجاگر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ ایک ایسی بنیاد جو عالمگیر معاشرت کی قدروں کی افزائش کے لیے پوری طرح سے سازگار ماحول کی تخلیق کر سکنے کے لائق ہو۔ زمانۂ قبل از اسلام میں لوگوں کی تقدیر قبائلی طرز کی معاشرت کے ہاتھوں میں تھی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قبائلی نظام کچی بستیوں کی مانند تنگ و تاریک اور پر پیچ گلیوں کے ماسوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی ہر گلی اور ہر راستہ کچھ ہی دور جا کر بند ہو جاتا ہے۔ یعنی جہاں تک ایک قبیلے کی اپنی عملداری اور تحکم قائم ہے بس وہاں تک۔ آگے بڑھنا خطرات سے خالی نہیں ہو سکتا۔ دنیا آج قبائلیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو کچی بستیوں کی مانند مسمار کرتی ہوئی ایک عالمگیر معاشرے کی جانب بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔اس تحریک کی بنیاد رسول کریم ﷺ نے ہی رکھی تھی۔اور ایک عالمگیر معاشرت کا نہ صرف یہ کہ تصور پیش کیا تھا بلکہ اس کی بنیادوں کی بھی وضاحت فرمادی تھی۔

اس سے قبل قبائلی حمیت وعصبیت اپنے ہم قبیلہ افراد کی ہر جائز و ناجائز عمل میں پشت پناہی اور اغیار کی مخالفت کے اصول پر قائم تھی۔نیا عالمی گاؤں یا نئی عالمگیر معاشرت اس نہج پر استوار ہے کہ سب کچھ تماشا گاہے عالم کی زینت ہے۔ظلم و جور اور وحشت و بربریت جو قبائلی طرزِ معاشرت کا طرہ امتیاز تھے اور اسی کی آغوش میں پلتے تھے اب نئی روشنی کے اس دور میں ان کے لیے سر چھپانے کی جگہ مشکل ہوتی جارہی ہے۔کیمرے کی آنکھ اور ریکارڈرز کے کان بہت حساس ہیں۔اور چند ہی لمحوں میں دنیا کو خبر کر دیتے ہیں۔قبل ازیں یہ وظیفہ عقیدۂ آخرت کے سپرد تھا۔نظامِ جزاوسزا بھی اسی کا آئینہ دار تھا۔کراماً کاتبین کے ہاتھوں ہر اچھے یا برے عمل کو محفوظ بنائے جانے کا تصور بھی اسی احساس جوابدہی و ذمہ داری کو بیدار کرنے کے لیے ہی تھا جو ایک بامعنی عالمگیریت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔مگر کسی کو کچھ پرواہ نہیں تھی۔اب یہ وظائف متشکل و مجسم ہو کر دنیا کے سامنے آگئے ہیں اور یہ یقین عام ہو رہا ہے کہ

سلسلۂ جزاوسزا صرف حشر پہ موقوف نہیں　　　زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ تہذیبِ نو کی اس کروٹ سے ایک بہت مناسب وقت پہلے، رب العالمین کے تصور کے تحت ایک جلالِ ایزدی اور رحمت للعٰلمین کے تصور کے تحت اسوہ رسول کریم ﷺ کے سایۂ عاطفت میں اس خیر امت کی نیو اٹھائی گئی تھی۔جلالِ ایزدی کا سایہ اس لیے ضروری تھا کہ وہ خالق و مالک بھی ہے اور مدبر و منتظم بھی ہے۔حکمتوں کے سب خزانے بھی اسی کے قبضہ تصرف میں ہیں۔ذاتِ حق لافانی ہے اور اس کا دیا ہوا نظامِ فکر و عمل بھی بہر طور لازوال ہی ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ خیرِ امت کی حکیمانہ اسلوب پر ترتیب و تنظیم کے بنیادی اصول اسی کی بارگاہ سے آئیں۔اور رسول رحمت ﷺ کی عاطفت و مہربانی اس لیے ناگزیر تھی کہ ابنائے آدم اپنے حقیقی خیر خواہوں کو پہچاننے اور اپنے شکاریوں کے دام سے نکلنے کے عمل میں بھی خاصے کوتاہ بین و کم ہمت واقع ہوئے ہیں۔چنانچہ ان کی ہر ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود ان کو کنارِ عافیت تک پہنچانے کے عمل میں محبت و شفقت کی لامحدود دیت شرط تھی۔چنانچہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ان بنیادی اصولوں پر مبنی ایک عالمگیر اسلامی معاشرے کے داخلی ارتباط کے بنیادی اصول اور جملہ قواعد و ضوابط عملاً متشکل کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیے گئے تھے۔

ایک منظم و مربوط معاشرے کے قیام کا معاملہ ہو تو مساواتِ انسانی کے تحت رابطے کی ہر کڑی کے اندرونی و داخلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر فرق مراتب اوران کی حتمی وقطعی تعیین ایک ناگزیر شرط ہے۔یہی معاملہ گھر گرہستی کا بھی ہے۔ بر سبیل تنزل،سب ابنائے آدم اور جملہ بنات آدم اگرایک ہی سطح پر آ کر باہمدگر ہر لحاظ سے برابر ہو جائیں تو تنظیم قائم نہیں رہ سکتی۔کیونکہ عملاً ناممکن اور محال ہے کہ باپ بیٹا اور پوتا ایک ہی درجے میں رکھے جاسکیں۔اس سے عدمِ مساوات کی طرف کسی کا ذہن جاسکتا ہے۔ایسا ہے نہیں۔ذرا آگے چل کر پڑوس کے ضمن میں مساوات کے اصول کی بھی وضاحت ہو جائے گی۔وہی اس کا مناسب ترین محل ومعرض بھی ہے۔چنانچہ اس فرقِ مراتب کے اصول کی بالا دستی قائم کرتے ہوئے اسلامی معاشرہ سب سے پہلے ایک گھر کی بنیاد رکھتا ہے۔اچھے اور خاندانی لوگوں کے لیے ایک اچھے خاندان کو نرسری کا درجہ حاصل ہے۔اچھا خاندان کچھ اصولوں کے تابع ہوتا ہے اور کچھ مسلمہ معاشرتی اقدار کے تحت ہی وجود پذیر ہوتا ہے۔

سایہ عظمت وجلال کے تحت تشکیل سے مراد یہ ہے کہ جس فرمانِ باری کے تحت ایک گھر اور خاندان کی تشکیل وجود میں آئی ہے اس کے اختتامی کلمات یہ ہیں :إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (النسآء :۳۴)یعنی:''یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی سب سے بلند و بڑا ہے''۔یہ اسلوب اس امر کا علانیہ اظہار ہے کہ کسی نہ کسی فریق کو قربانی دینی ہوگی۔چنانچہ یہ قربانی دینی پڑے تو رب کائنات کی عظمت وجلال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بسر چشم وہ فریق اس حکم کو قبول کر لے۔چون و چرا کی گنجائش اسی طرح یہاں بھی نہیں ہے جیسے بوقتِ ذبح چھری کے نیچے آنے والے کے لیے پڑھے جانے والے کلمات میں رحمٰن و رحیم کے ذکر کی بجائے پڑھا جاتا ہے :بِسْمِ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ (۱)،یعنی:''اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا شروع کیا ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے'' سے جلالِ ایزدی عیاں ونمایاں ہوتا ہے۔قرآن حکیم کی حسبِ ذیل آیہ مبارکہ ملتِ اسلامیہ کی بنیادی اکائی کے طور پر ایک ''گرہستی نظام'' کی تشکیل کرتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (النسآء: ۳۴)

ترجمہ :مرد،عورتوں پر ناظم وضابط کی حیثیت کے حامل ہیں قدرت وفطرت کے اس اصول کے تحت جس کی رو سے اس نے ان میں سے بعض کو بعض دیگر پر فضیلت وفوقیت عطا کی ہے اور اُس مال (حقِ مہر) کی بدولت جسے وہ اپنے اموال سے فراہم وخرچ کر چکے ہیں تو اس کے نتیجے میں راست فکر وعمل والیاں تابع فرمان ہوتی ہیں،مخفی معاملات میں بھی اس شے کی حفاظت کرتی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ نے حکم دے رکھا ہے،اور جن عورتوں کی بد معاملگی کا تمہیں اندیشہ دامن گیر ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان کا بستر چھوڑ دو اور ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسمانی سزا تک دو تو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت اختیار کر لیں تو پھر تم ان کی ایذا رسانی کے بہانے مت تلاش کرو یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی سب سے بلند و بڑا ہے۔

''عقدِ نکاح'' ایک مقدس و محترم انسانی رشتہ ہے۔ یہ جملہ فیوض و برکات اور اثرات و ثمرات اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کی بدولت ایک انسان کو ایک باوقار انسانی تشخص نصیب ہوتا ہے۔ مگر فی زمانہ کم تر اور محدود سوچ نے اس کی عظمت و ساکھ کو بڑے صدمات سے دوچار کر رکھا ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر شادی بیاہ کا عمل دشوار ہو گیا۔ اور بروقت شادیاں نہیں ہو رہیں۔ اور معاشرہ اس کے برے اثرات کی سزا بھگت رہا ہے۔ عقدِ نکاح، بنیادی طور پر ایک مرد اور ایک عورت کے مابین طے پانے والا باعزت و باوقار معاہدہ عمرانی ہے۔ ہزاروں سال سے دنیا کے ہر گوشے میں ہر مذہب و ملت کے پیروکار اس پر کاربند رہے ہیں۔ اس میں زن و شوہر میں سے کسی فریق کی ہتک کا کوئی امکان و احتمال نہیں ہے۔ شادی بیاہ کے راستے میں حائل دقتوں اور دشواریوں کے محرکات اسی نوع کے ذہنی تصورات ہیں۔ عقدِ نکاح ایسے مقدس رشتے بلکہ ادارے کی ساکھ کو برباد کر دینے والی ایسی سوچ اگر پائی جاتی ہے تو یہ ہم سب کی کمزوری و ناکامی کا مظہر ہے۔ اس کو فقط ایک کمترین سوچ قرار دے کر درخورِ اعتناء ہی نہ جاننا بھی غلطی ہے۔ اس کا قلع قمع کرنے کے لیے عملی اقدامات کی اُشد ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک معاشرے کو بیمار کرنے والے امراض کے پیدا ہونے کی جہاں گنجائش بنتی ہو ان راہوں کو مسدود کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ عہدِ جاہلی کے عرب معاشرے میں بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیے جانے کی وجوہات بھی کچھ ایسی ہی ہوتی تھیں۔ جہلائے عرب کی اس ذہنیت کی نشاندہی آیتِ ذیل سے ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ، يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (النحل :۵۸و۵۹)

ترجمہ :اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غیض و غضب کے جذبات پر قابو پا رہا ہوتا ہے۔ اس خوشی کی اطلاع سے اخذ کیے ہوئے اثراتِ بد کے باعث اپنے ہی لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ آیا ذلت کی بنیاد پر اسے زندہ رہنے دے یا اسے کہیں مٹی میں ملا کر چلا آئے۔ سننے اور پڑھنے والو، توجہ دو !ان کے بڑے انہیں کس قدر برا حکم دیتے، سکھاتے آئے ہیں۔

وہ خالصتاً ایک قبائلی معاشرہ تھا۔ انسانی عقل و خرد کا تراشیدہ اور بالکل ایسا ہی جیسا کہ آج کا مغربی معاشرہ ہے۔ جاہلی معاشرے کے ان پہلوؤں کی نوک پلک رسول کریم ﷺ نے درست فرما دی تھی جن میں اسلامی تعلیمات کے قالب میں ڈھلنے کی استعداد موجود تھی۔ اور من حیث المجموع وحیِ الٰہی کی روشنی میں ظلم و استبداد پر مبنی اس لائق نفرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبائلیت کی جگہ ایک صحتمند فلاحی معاشرے کی بنیاد رکھ دی تھی۔ چنانچہ اس نئے اور اسلامی تعلیمات پر مبنی معاشرے میں ایسی کسی سوچ کا پایا جانا اسی عرب جاہلیت کا تسلسل اور حد درجہ افسوسناک ہی کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی جگہ اسلامی سوچ یہ تھی کہ نکاح میں فریقین کی عزت وآبرو کی پورے طور پر حفاظت اور ایک باوقار معاشرتی زندگی کی شروعات کی ضمانت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ایسے مردوں اور عورتوں کو ''مُحصِنِیْن'' و ''مُحصِنَات '' کی خوبصورت اصطلاحی تعبیرات سے نوازا ہے۔ یعنی ایسے مرد اور عورتیں جن کی عزت وآبرو ایک مضبوط ومحکم قلعۂ عمرانی میں پوری طرح سے محفوظ ہوگئی ہے۔ اس قلعۂ عمرانی کی محکم ومضبوط فصیل کے تحفظ کے حصول کی ناگزیر شرط یہی معاہدہ عمرانی ہے جسے عقدِ نکاح کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ عقد ومعاہدہ ایک باقاعدہ، منظم اور مربوط خاندانی نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے۔ اور بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ گرہستی کا عمل اور یہ خاندان، معاشرے کو وہ بنیادی اکائی فراہم کرتا ہے جو انسانی معاشرے کی راست بنیادوں پر تشکیل وتجسیم کردیتی ہے۔ اس گرہستی کی اپنی بنا عقدِ نکاح پر استوار ہے۔ اور عقدِ نکاح کی بنیاد حق مہر پر قائم ہے۔

انہی چیزوں سے میاں بیوی کی جدا جدا حیثیتوں اور ان کے حقوق وفرائض کا حتمی اور واضح تعین بھی ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں میاں بیوی کو ایک چھت کے نیچے ایک وحدت کے طور پر کچھ اس طور ایک دوسرے سے باندھ کر مربوط کر دیا جاتا ہے کہ کسی کو ان کے درمیان حائل ہونے اور ان کے باہمی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایک چھوٹی سی ریاست معرض وجود میں آجاتی ہے۔ جس میں سربراہی مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں بیوی کے پاس۔ وہ بھی موقع سے غیر موجود ہو تو بچوں میں سے جو عمر میں بڑا ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ بناء اور شروعات کے اعتبار سے اس سارے عمل کی کلید حق مہر ہے۔ لہٰذا لفظِ مہر کے تعلق سے ہمیں لغت واصطلاح کے ساتھ ساتھ تصریحاتِ سابقہ پر بھی ایک گہری اور تجزیاتی نظر ڈالنی ہوگی تاکہ اس کی حقیقت کو معلوم ومعین کیا جا سکے۔

ہمارے یہاں مروجہ ومعروف اصطلاحی لفظ ''حق مہر'' عربی سے مستعار ہے اور لفظِ ''ماہر'' اور ''مہارت'' کی بنیاد بھی وہی ہے جس سے لفظِ ''مہر'' وجود پذیر ہوا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ ماہر اور مہارت کا معنی ومفہوم کیا ہے۔ مگر عام طور پر اس کے حقیقی مفہوم ومصداق کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاتی۔ کسی بھی معاملے میں ماہر ہونے یا مہارت کے حاصل ہونے کا لازمی معنی یہ ہوتا ہے کہ اس معاملے پر پورے طور پر قابو پالینے کی استعداد وصلاحیت حاصل کرلی جائے۔ گویا اس عمل کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ اگر معاملہ پوری طرح سے بس اور قابو میں نہیں ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں شخص اس شعبے میں ماہر کا درجہ رکھتا ہے۔ عربی میں یہ کلمہ باب فتح اور نصر دونوں سے آتا ہے۔ مَہَرَ یَمْهَرُ / یَمْهُرُ، مَهْرًا، مُهُوْرًا، مَهَارًا و مَهَارَةً۔ حاذق ہونا۔ صفت ماہر۔ (۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ مکمل قابو، اختیار اور دسترس کی ایک حقیقت اس کلمہ کے بنیادی معنی کے اندر ہی مضمر ہے۔ فارسی نژاد کلمہ ''مُہار'' کی اصل بھی یہی ہے۔ لفظِ ''مُہار'' اردو میں بھی مستعمل ہے۔ صاحبِ جامع اللغات نے اس کلمہ کا معنی یہ بیان کیا ہے:

''مُہار''، (ف۔مؤنث) اونٹ کی نکیل۔ایک رسی جس کے سرے پر ایک لکڑ بندھی ہوتی ہے۔اسے اونٹ کی ناک میں ڈال دیتے ہیں۔اونٹ اس کے اشارے پر چلتا ہے۔(۳)

مگر عربی زبان میں سواری کو قابو میں رکھنے کے لیے استعمال کی جانے والی خاص ڈوری یا رسی کے لیے لجام اور زمام کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ان دونوں کی اصل بھی فارسی کلمہ ''لگام'' ہے۔یہی لگام دو مختلف شکلوں میں معرب ہو کر عربی میں مستعمل ہوا ہے۔علامہ ابن کثیر نے عہدِ جاہلی کے ایک معروف عرب شاعر عمیر بن قیس عرف جذل الطِعان کا حسبِ ذیل شعر نقل کیا ہے:

فَأَیُّ النَّاسِ لَمْ نُدْرِکْ بِوِتْرٍ وَ أَیُّ النَّاسِ لَمْ نُعْلِکْ لِجَامًا(۴)

یعنی: تو کون ہیں وہ لوگ جن سے ہم نے بدلا نہ لیا ہو؟ اور کون ہیں وہ لوگ جن پر (عالم جوش میں جنگی گھوڑوں سے) ہم لوگوں نے لگاموں کو نہ چبوایا ہو؟

اس سے استشہاد کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ لگام کے لیے عربوں کے پاس اپنا کوئی لفظ نہیں تھا۔اسی لیے انہیں ایک فارسی کلمہ مستعار لے کر اسے معرب بنانا پڑا ہے۔یہی حال ''زمام'' کا بھی ہے جو لفظِ ''لگام'' کا ہی معرب ہے۔لوئیس معلوف زِمَام کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلزِّمَامُ ج اَزِمَّۃٌ :مَا یُزَمُّ بِہٖ أَیْ یُشَدُّ، اَلْمِقْوَدُ، یُقَالُ :ھُوَ زِمَامُ قَوْمِہٖ، أَیْ مُقَدَّمُھُمْ وَ صَاحِبُ أَمْرِھِمْ، وَھُوَ زِمَامُ الْاَمْرِ أَیْ بِہٖ یَقُوْمُ الْاَمْرُ، وَ أَلْقَوْا فِیْ یَدِہٖ زِمَامُ الْاَمْرِ أَیْ تَرَکُوْا لَہٗ، أَنْ یَّحْکُمَ وَ یَقْضِیَ بِمَا شَآءَ.(۵)

ترجمہ: زمام کی جمع ''اَزِمَّۃٌ'' آتی ہے۔ ہر اس شے کو کہتے ہیں جس کی مدد سے لگام دے کر طالع کیا جائے یعنی باندھ کر قابو کیا جائے۔اسے ''اَلْمِقْوَد'' بھی کہتے ہیں۔عرب معاشرے میں کہا جاتا ہے: وہ شخص اپنی قوم کی زمام ہے تو مراد ہوتی ہے کہ وہ شخص ان کا قائد ہے اور ان کے جملہ امور و معاملات اس کے قبضۂ تصرف میں ہیں۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جملہ امور کی کلید اس کے پاس ہے یعنی جملہ امور و معاملات کی انجام دہی وہ شخص ہی کرتا ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی زمام کار اس کے ہاتھوں میں دے دی یعنی ان لوگوں نے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ حکمرانی کرے اور جو چاہے فیصلہ صادر کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے۔

اب بادیٔ النظر میں مہر میں اور مُہار، بمعنی زمام، میں یک گونہ و بہت گہری مماثلت تو موجود ہے اور صاف نظر بھی آتی ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہ کلمہ بھی فارسی ہی سے مستعار لیا گیا ہو۔ یعنی یہ کہ لفظِ مہر خالص عربی نژاد کلمہ نہ ہو۔ مہر و وفا اور مہربانی وغیرہ پر مشتمل تراکیب و الفاظ بھی اسی بات کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مہر عرفی کے لیے اس کلمہ کو رواج دیتے وقت یہ متذکرہ بالا مماثلتیں بھی ملحوظ رہی یا رکھی گئی ہوں۔ اور اس سے مقصود یہ رہا ہو کہ بس و اختیار میں اور قابو میں لانے کا معنی و مفہوم کا ملاً ادا ہو جائے۔ علامہ علاء الدین الحصکفی نے مہر کے حسبِ ذیل عربی مترادفات بھی بیان کیے ہیں۔ درمختار میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ أَسْمَائِهِ الصَّدَاقُ وَالصَّدَقَةُ وَالنِّحْلَةُ وَالْعَطِيَّةُ وَالْعُقُرُ (٦)

ترجمہ: مہر کے دیگر ناموں میں: اَلصَّدَاقُ، الصَّدَقَةُ، النِّحْلَةُ، الْعَطِيَّةُ اور اَلْعُقُرُ بھی شامل ہیں۔

لفظِ "مہر" قرآن حکیم میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے۔ البتہ قرآن حکیم کی روشنی میں ہی "فَرِيضَة" اور "أَجْر" کے کلمات کا فہرستِ مندرجہ بالا میں اضافہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں بقرہ کی آیت ۲۳۷، اور نساء کی آیات ۲۴ و ۲۵ سے مستفاد و مستعار ہیں۔ قرآن حکیم لفظِ "مہر" کی طرح کی کوئی ایک اصطلاح اختیار کرنے کی بجائے مختلف تعبیراتی اسالیب اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ کلماتِ مندرجہ بالا سے پوری طرح سے واضح ہو جاتا ہے۔ مگر یہ تعبیرات "مہر" کے مقاصدِ اصلیہ اور اس کی حکمتوں اور اسرار پر مبنی جہتوں کے قرینے بھی ہو سکتے ہیں۔

اب ایک خاص و معین معنی کی ادائیگی کے لیے ان تمامی ناموں کو دیکھا جائے اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کی طرف بھی نظر کی جائے تو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی عربوں کی قدیمی یا دیرینہ روایت نہیں تھی۔ ورنہ اتنے پینترے بدلنے کی نہ صرف یہ کہ حاجت ہی نہ ہوتی بلکہ ایسا کرنا ان کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا۔ ایک نپے تلے اصطلاحی معنی کی ادائیگی کے لیے ایک سے زائد کلمات کا رواج کوئی صحت مند روایت تو بہر حال نہیں ہے۔ بات بس یہیں تک ہی نہیں بلکہ یہ طرزِ ادا ایک تردد اور عدم پختگی کی بھی دلیل بن جاتا ہے۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ترادف کبھی بھی سو فیصدی نہیں ہوتا بلکہ معانی و محتملات کے لحاظ سے اکثر الوجوہ میں شمولیت و مماثلت کے باعث کلمات کو مترادفات میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ مگر پھر ہوا یہ کہ بعد کے وقتوں میں فقہی کتب میں فقط لفظ "مہر" پر انحصار اور اس کے عام استعمال نے اس کو ہماری سماعتوں کے لیے اس قدر مانوس بنا دیا ہے کہ دیگر تمامی مترادفات نظروں سے ہی اوجھل ہو کر رہ گئے ہیں۔ دوسری جانب یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ احادیثِ مرویہ میں یہ کلمہ نکاح کے تعلق سے ہی اپنی ایک خاص توجیہ کے ساتھ بھی وارد ہوا ہے۔ سنن دارمی کی روایت ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ بْنِ جُرَیْجٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ مُوْسیٰ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ :اَیُّمَا امْرَاَۃٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُھَا بَاطِلٌ فَاِنِ اشْتَجَرُوْا قَالَ اَبُوْ عَاصِمٍ وَّ قَالَ مَرَّۃً فَاِنْ تَشَاجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ فَاِنْ اَصَابَھَا فَلَھَا الْمَھْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِھَا.(۷)

ترجمہ :ہم سے حدیث بیان کی ہے ابو عاصم نے جریج سے سن کر، انہوں نے سلیمان بن موسیٰ سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :جس کسی عورت نے اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تو اس کا نکاح بے کار و باطل ہے، تو اس کا نکاح بے کار و باطل ہے، تو اس کا نکاح بے کار و باطل ہے، ابو عاصم نے ایک بار تو یوں کہا ہے کہ اگر وہ جھگڑے پر تل جائیں اور ایک بار یوں کہا کہ اگر ان کے مابین جھگڑا ہو جائے تو پھر جس کے ولی کی عملداری غیر مؤثر ہو جائے تو سلطانِ وقت اس کا ولی و وارث ہوگا۔ تو اگر شوہر نے اس عورت سے تمتع کر لیا ہے تو حق مہر لازم ہو گیا ہے اس قاعدے کے تحت جس کی رو سے خاوند نے اس کی شرمگاہ سے تمتع کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ، اُم المؤمنین ہیں ۔ یہ رتبہ آپ ؓ کو اور دیگر ازواج مطہرات کو اللہ نے عطا فرمایا ہے(الاحزاب :۶) ۔مگر ایسی متعدد روایات پیش کی جاسکتی ہیں جن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ یہ محض آپؓ کی شان اور مرتبہ ومقام کم کرنے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ روایتِ مندرجہ بالا کا آخری فقرہ بھی اسی قبیل سے ہے اور بادیٔ النظر میں نساء کی آیت ۳۴ سے پوری طرح سے معارض ہے۔اس فقرے نے اور اس نوع کے دیگر رجحانات نے اسلامی سوچ کی جہت ہی بدل دی ہے۔حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے کہ ان رجحانات نے مسلم معاشرت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عورت کے لیے شادی کا تصور ہی باعث شرم و عار بن گیا ہے۔اس طرح پہلے عورت کی اپنی بنیاد کھوٹی کر دی گئی ہے اور پھر اس عورت کو اس قوم کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہ فقرہ سراسر عورت کی توہین و تذلیل کے تصور پر مشتمل ہے۔اس کا مقصودِ ہستی فقط یہی نہیں ہے۔یا عورت کی حیات کا مقصدِ وحید یہی نہیں ہے۔ جن جن لوگوں نے ایسا سمجھا یا کہا ہے انہوں نے دراصل لوگوں کے ہجوم کو ایک قوم سمجھا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک حیوانیت کی زندگی تجویز کی ہے۔عورت کی گرہستی ذمہ داریاں بے پناہ ہیں اور اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ اقوامِ عالم کی صف میں اس خیرِ امم کی باوقار زندگی اہم ہے۔ کیونکہ اس کی نمود اسی سے ہے۔عورت، تعداد میں انسانی آبادی کے نصف سے بھی زیادہ ہے۔یعنی فی زمانہ مرد اتنے نہیں ہیں جتنی کہ عورتیں ہیں۔اور مقام و مرتبہ میں ماں، بہن، بیوی اور بیٹی سمیت اس کے کئی روپ ہیں۔ ہر روپ تقدس و حرمت کا پیکر مجسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان بے شمار خواتین میں سے بیویاں ایک وقت میں فقط ایک تا چار ہی ہوسکتی ہیں۔مقام حیرت ہے کہ یہ ایک تا چار لوگوں کے اعصاب پر حاوی اور طاری ہی رہی ہیں۔سوچنا چاہیے کہ خواتین ہر معاشرے کی بنیاد ہوتی ہیں۔اور کسی ملک و معاشرے کی تعمیر کے لیے مردوں سے زیادہ اہم کردار کی حامل ہوتی ہیں۔یہ حساس اور نازک معاملات تک میں بہتر کردار کی حامل ہوتی ہیں۔مگر شادی بیاہ کا فطری، پاکیزہ اور ناگزیر عمل عورت کے لیے باعث شرم و عار بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم نے ان کو ''مُحصَنٰت'' (النساء :۲۴) یعنی: ''محکم قلعہ عزت و آبرو میں محفوظ عورتیں'' کہا اور قرار دیا ہے۔باوقار انداز میں گرہستی ذمہ داریاں سنبھالنے کا یہ عمل جب باعث شرم و عار بن گیا اور متبادل یا فرار کا راستہ بھی کوئی موجود نہیں تھا تو اب کچھ دنوں تک تو دل پر پتھر رکھ کر حالات کا سامنا کرتی ہیں۔پھر بات پرانی اور وہ مانوس ہو جاتی ہیں اور حالات سے سمجھوتا کر لیتی ہیں۔تب تک معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اپنی بنیاد کھوٹی ہو چکی ہوتی ہے۔پھر اس عورت کی گود ہماری نئی نسل کی پہلی درس گاہ بنتی ہے۔ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک قرآن حکیم کے صریحاً خلاف لوگوں کے ذہنوں میں جو زہر انڈیلا جاتا رہا ہے اب نئے حالات میں فراخ دلی کے ساتھ ان منفی تصورات کی صفائی ضروری ہوگئی ہے۔اسی آخری فقرے پر پھر توجہ دیجیے۔کیونکہ یہ بات خاص توجہ کی ہے کہ اگر یہی کچھ کہنا یا بیان کرنا تھا تو ''بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا'' کہنے کی تو حاجت ہی نہیں تھی۔''بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْهَا'' سے بھی تو یہ معنی پورے طور پر ادا ہوسکتا تھا۔اس طرح کلام میں جامعیت بھی پیدا ہوتی، حسن اور نکھار بھی آجاتا اور مقصد بھی ادا ہو جاتا۔لہٰذا سوال یہ ہے کہ کلام میں یہ شناعت لانے کی آخر حاجت ہی کیا تھی؟

میاں بیوی کے باہمی حقوق و فرائض کے حوالے سے ابن ہشام حسب ذیل کلمات کے ساتھ خطبہ حجۃ الوداع کا ایک اقتباس روایت کرتے ہیں۔اس میں کچھ قابل غور نکات بھی ہیں:

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا ، لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ. فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكُسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا ، فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ لَّا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا ، وَاِنَّكُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ فَاعْقِلُوْا اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِىْ ،فَاِنِّىْ قَدْ بَلَّغْتُ .(۸)

ترجمہ :بعد ازیں بات یہ ہے کہ اے لوگو !یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمہارا تمہاری عورتوں کے اوپر حق ہے۔اور ان کا تمہارے اوپر حق ہے۔ان پر لازم ہے کہ کسی کو موقع نہ دیں کہ وہ تمہارے حرم کی حرمت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پامال کرے۔سب جانتے ہیں کہ تم اس امر کو طبعاً بھی کبھی گوارا نہیں کرتے۔اور ان پر یہ بھی لازم ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کربیٹھیں جو شریعت میں بے حیائی کے طور پر بیان ہوئی ہے۔پھر بھی اگر ان میں سے کسی نے ایسی کسی حرکت کا ارتکاب کیا تو یہ بھی مسلّمہ امر ہے کہ اللہ نے تمہیں یہ اجازت دیدی ہے کہ تم ان کا بستر الگ کردو اور ان کو ایسی جسمانی سزا دو جو سخت تکلیف دہ (جان لیوا) نہ ہو۔تو اس طرح سے اگر وہ باز آجاتی ہیں تو دستور کے مطابق ان کے کھانے پینے اور لباس کا اہتمام تمہارا فرض ہے۔اور اپنی عورتوں سے نفاست و عمدگی کے ساتھ پیش آیا کرو۔اس لیے کہ ان کا معاملہ یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ تمہاری مددگار و معاون ہیں۔ اپنی ذات کے لیے وہ کسی شے کی مالک و مختار نہیں ہیں۔اور تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لے رکھا ہے۔اور کلمات اللہ کی بدولت ان کی شرمگاہوں سے تمتع کو تم نے اپنے اوپر حلال کرلیا ہے۔تو سمجھو،اے لوگو! میری بات کو۔اب میرا معاملہ یہ ہے کہ میں اللہ کا پیغام پہنچا چکا ہوں۔

جامع ترمذی میں یہ اقتباس حسبِ ذیل کلمات کے ساتھ روایت ہوا ہے:

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ اَلْخَلَّالُ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ شَبِيْبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةً فَقَالَ اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اَلَا اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَّلِنِسَآئِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ فَلَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَلَا يَاْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ. قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ يَعْنِيْ اَسْرٰى فِيْ اَيْدِيْكُمْ (۹)

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی ہے حسن بن علی خلال نے، ان سے حدیث بیان کی حسین بن علی جعفی نے انہوں نے زائدہ سے، انہوں نے شیب بن غرقدہ سے، انہوں نے سلیمان بن عمرو بن اُحوص سے روایت کرتے ہوئے۔وہ کہتے ہیں میرے والد نے بیان کیا ہے کہ وہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے تو آپ ﷺ نے حمد و ثناء بیان کی اور ذکر و وعظ فرمایا اور اس گفتگو میں ایک قصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی بیان کیا تو پھر فرمایا :لوگو !توجہ سے سنو !میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی تاکید و نصیحت کرتا ہوں۔اس لیے کہ ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس تمہاری مددگار و معاون ہیں۔اس کے سوا تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔ہاں البتہ اگر وہ کسی ایسی حرکت کا ارتکاب کر بیٹھیں جس کو شریعت نے بے حیائی بتایا ہو۔تو اگر وہ ایسا کر بیٹھیں تو تم ان کے بستر چھوڑ دو اور ان کو سزا دو جو سخت تکلیف دہ (مہلک) نہ ہو تو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت اختیار کر لیں تو ان کو ایذا دینے کے بہانے مت ڈھونڈو۔توجہ سے سنو !یہ حقیقت ہے کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر ایک حق لازم ہے۔اور تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر بھی ایک حق لازم ہے۔تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے گھر اور حرم کی حرمت کو پامال کرنے کی کسی کو کبھی اجازت نہ دیں۔اور توجہ سے سنو !ان بیویوں کا حق لازم تمہارے اوپر یہ ہے کہ تم ان کی پوشش و خورد و نوش کے معاملات میں عمدگی و نفاست کو مدنظر رکھا کرو۔ابو عیسیٰ کہتے ہیں :یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور آپ ﷺ کے فرمان ''عَوَانٌ عِندَکُم'' کا معنی ہے :تمہارے پاس قید نکاح میں ہیں۔

دونوں معتبر ماخذ سمجھی جانے والی کتب ہیں۔اور مرویات بھی سامنے ہیں۔مگر روایت بالمعنی کی کھلی چھوٹ اور اس کے باعث ہونے والی بے احتیاطیوں پر مناسب وقتوں میں پہرے نہ بٹھائے جانے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ امت خطبۂ حجۃ الوداع جیسی اہم ترین اور مقدس دستاویز کو آج اپنے دستور کی اساس بنا سکنے کے قابل نہیں رہی۔دستورِ حیات کے معاملے میں کسی ایک لفظ کا اِدھر سے اُدھر ہو جانا پورے نظریے کو سبوتاژ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۷۵، نساء کی آیت :۴۶، اور مائدہ کی آیات :۱۳، اور ۴۱ میں قوموں کے اسی قدیمی مرض کا ذکر آیا ہے۔راویان کا ذکر بھی حدیث کے ساتھ موجود ہے۔ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے کہے سنے کو شریعت قرار دیا جا سکے۔کلمات باہم معارض و متناقض ہیں۔مبینہ قضیہ ملک پر ہی غور کر لیجیے۔بات کدھر سے کدھر نکل گئی ہے۔اور آپ ﷺ کے ارشادات کی باقیات جب مختلف کلمات کے ساتھ بیان ہوئی ہوں تو یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی زبان پاک سے صادر ہونے والے اصل کلمات کیا رہے ہوں گے۔

خیر !ازدواج کا یہ سلسلہ تو یقینی طور سے بہت قدیمی ہے بلکہ سمجھا جائے کہ اول روز سے ہی انسانی زندگی کا لازمہ رہا ہے۔اس سے تو کسی کو انکار ہو نہیں سکتا۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو چیز عام معمول کا حصہ اور لوگوں کا روزمرہ ہو اس کو یا اس کے مختلف گوشوں کو بیانات کی زینت کبھی نہیں بنایا جاتا۔یہ کبھی نہیں کہا جائے گا کہ فلاں علاقے کے لوگ کپڑے پہنتے ہیں۔اور اگر ذکر آتا بھی ہے تو محض ضمناً یا کسی اَور وجہ سے جس کا بیان مقصودِ اصلی نہیں ہوا کرتا۔مثلاً حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کے تعلق سے قرآن حکیم کا بیان حسبِ ذیل ہے۔اب قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ اس میں ''بدل نکاح'' کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تذکرہ صاف لفظوں میں موجود ہے:

قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ، قَالَ ذٰلِكَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكَ اَیَّمَا الۡاَجَلَیۡنِ قَضَیۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَكِیۡلٌ (القصص: ۲۷و۲۸)

ترجمہ: موسیٰ کے ہونے والے سسر نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کا نکاح تم سے کر دوں اس بنیاد پر کہ تم آٹھ سال تک میری خدمت پر مامور رہو، تو اگر تم دس سال پورے کر لیتے ہو تو تمہاری طرف سے اضافی احسان ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے لیے کوئی دشواری کھڑی کروں ان شاء اللہ تم میرے معاملات سدھرے نکھرے ہوئے ہی پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا: یہ معاملہ ہمارے درمیان طے ہو گیا ہے، اب دونوں میں سے جس مدت کی تکمیل کو بھی میں نے اختیار کر لیا تو مجھ پر ہر طرح کا دباؤ باطل اور بے کار عمل ہوگا اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سب اللہ ہی کے سپرد ہے۔

آیتِ مندرجہ بالا سے صاف عیاں ہے کہ عقدِ نکاح کا بدل مرد کی طرف سے فراہم کرنا ایک قدیم تاریخی اور پختہ روایت ہے۔ قرآن حکیم نے بھی ''مہر'' کی ادائیگی مرد کے ذمہ لازم و واجب کر رکھی ہے۔ مردوں اور عورتوں کی مالی حیثیتیں متفاوت بھی ہو سکتی ہیں۔ اور کئی مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں بہت زیادہ مالدار ہے۔ اس کے باوجود مہر کی ادائیگی مرد کے ذمہ ہی لازم ہے۔ یہ ایک بہت ہی اہم نکتہ ہے۔ طے کرنے کے بعد اب اس عورت کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔ چاہے آدھا چھوڑ دے یا پورا۔ لزوم مہر کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خود کو ہبہ کرنا چاہے تو مؤمنین کو بلا مہر ان سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَمَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ لِكَیۡلَا یَكُوۡنَ عَلَیۡكَ حَرَجٌ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اور کوئی مؤمنہ عورت اگر اپنے نفس کو ہبہ کر دیتی ہے نبی کو تو بلا مہر نکاح کا عمل نبی کی مرضی پر منحصر ہے، یہ قاعدہ صرف آپ کے لیے ہے مؤمنوں کو یہ اختیار نہیں ہے، ہم نے ان پر ان کی جیون ساتھیوں اور حسبِ رواجِ سابق ان کی مملوکہ باندیوں کے لیے جو مہر لازم کیا ہے وہ ہمیں خوب معلوم ہے، یہ اس لیے ہے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرضیتِ مہر کے تعلق قرآنِ حکیم نے بہت زور دیا ہے۔ حد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۶ میں اُن عورتوں کے تعلق سے قاعدہ بیان ہوا ہے جن کا مہر بوقتِ نکاح مقرر نہیں کیا گیا تھا اور بعد ازیں رخصتی سے قبل ہی طلاق کی نوبت آ گئی۔ اسی طرح اسی سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۷ میں اُن عورتوں کی بابت قاعدہ بیان ہوا ہے جن کا مہر بوقتِ نکاح طے ہو گیا تھا مگر رخصتی سے قبل ان کو طلاق دے دی گئی ہے۔ لزوم اور فرضیتِ مہر سے متعلق ارشادِ ربانی ہے :

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَّلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (النسآء:۲۴)

ترجمہ: اور حرام ہیں تمہارے اوپر وہ عورتیں بھی جو کسی کے حصارِ نکاح میں ہوں، سوائے ان میں سے اُن عورتوں کے جو (غلامی کے) معروف سابقہ طریقوں سے ہوتی ہوئی تمہارے ہاتھ آ چکی ہیں، یہ نوشتۂ خدا وندی ہے جو تمہارے اوپر نافذ العمل ہو چکا ہے، ان محرمات مذکورہ کے علاوہ جملہ عورتیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں کہ تم حاصل کرنے کی چاہت رکھو اپنے اموال کے بدلے میں پختہ طور سے نکاح کے بندھن میں باندھتے ہوئے نہ کہ بدکاری بطور، تو پھر ان حلال عورتوں میں سے جن جن کو بھی تم لوگوں نے اپنے مال کے ذریعے اپنی حیات کا سرمایہ بنالیا ہے تو ان کو ان کا مہر ادا کرو فرضِ لازم جانتے ہوئے، اور مہر کو فرضِ لازم بنانے طے کر چکنے کے بعد کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر تم باہم کسی بھی بات پر رضامندی اختیار کر لو۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے۔

اس آیہ کریمہ سے پہلے بھی محرماتِ نکاح کا بیان ہی آیا ہے۔ اور اس کے ابتدائی حصہ میں ان محرمات میں سے آخری محرمہ عورت یہ بیان ہوئی ہے جو کہ پہلے سے کسی کے حصارِ نکاح میں ہو۔ یعنی نکاح کے اوپر نکاح کا عدمِ جواز اسی سے معلوم و متعین ہوا ہے۔ البتہ ان میں ایک استثنٰی یہ رکھا گیا ہے کہ گردشِ ایام نے جن عورتوں کو پچھلے وقتوں میں غلامی کے دستور کے مطابق باندیاں بنا دیا ہے اور معروف و مروجہ طریقوں سے یعنی زرِ خرید ادا کر کے تم ان کو اپنی ملکیت میں لے چکے ہو تو وہ بھی پچھلا نکاح غیر مؤثر ہو جانے کے باعث تمہارے لیے حلال ہو گئی ہیں۔ '' مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ '' اس تفصیل کا ایک جامع اور زیادہ بامعنی اظہار ہے۔ بالخصوص '' مَلَکَتْ '' فعل ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ '' اِلَّا مَا تَمْلِکُ اَیْمَانُکُمْ ''، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ سوائے ان عورتوں کے کہ جن کو کسی اَور کے نکاح میں ہوتے ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ اپنی ملکیت میں لے لیا کریں۔ اور '' اَیْمَانُکُمْ '' دائیں ہاتھوں کو کہتے ہیں۔ یہ قرینہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے میں معروف طور سے رائج قوانین کے تحت پچھلے وقتوں کے تصرفات کا۔ مگر فی الفوران کے خاتمہ کا اعلان اس قدر خطرناک ہو چکا ہے کہ عربوں کی اقتصادی حالت کے برباد ہو جانے کا قوی احتمال ہے۔ چنانچہ اس رواج کو خاتمہ کی راہ پر ڈال کر یوں چھوڑ دیا گیا ہے کہ وقت آنے پر اپنی موت آپ مر جائے گا۔ البتہ فعلِ ماضی کے انتخاب نے غلامی کے اس رواج کے تسلسل کو جاری رکھنے کی راہ میں سدِّ سکندری کھڑی کر دی ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شادی بیاہ کے لیے ان کے ماسوا عورتیں حلال قرار دے دی گئی ہیں۔ یہ بھی ایک خاص نکتہ ہے کہ مال کا ذکر عورت کا ہاتھ لینے پر مقدم ہے۔ پھر مرد و عورت کے مابین جنسی عمل یا جماع کے دو ہی راستے یا شکلیں وصورتیں قرآن کی نظر میں ہیں۔ ان میں سی پہلی صورت کی نشاندہی اور حد بندی بہت عمدگی جامعیت اور خوبصورتی کے ساتھ ''مُحْصِنِينَ'' کا کلمہ کرتا ہے۔ جبکہ دوسری صورت کو لفظِ ''مُسَافِحِينَ'' سے مشخص اور واضح کر دیا گیا ہے۔ اب ایسا ہے کہ تیسری کوئی صورت یا راستہ نہیں بچا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم نے ان تعلقات یا جنسی عمل کو ان دو ہی صورتوں میں محدود و محصور کر دیا ہے اور تیسری کسی شکل وصورت کا کہیں کوئی مذکور ہی نہیں ہے۔ اب رہ گئیں یہ دو تو ان میں سے ایک ممدوح و مطلوب ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مقدم رکھا گیا ہے۔ دوسرا مذموم و ممنوع ہے۔ اور مؤخر الذکر ہے۔ مطلوب و ممدوح ''عقدِ نکاح'' ہے۔ اور مذموم و غیر مطلوب ''زنا کاری و بد کاری کا عمل'' ہے، جس کو عربی میں ''سِفَاحْ'' کہا جاتا ہے۔ یہ دو ہی راستے بیان کرنے اور تیسرے کسی امکان، مثلاً نکاحِ مُوَقت، کو کلیۃً رد کرتے ہوئے لفظِ ''متاع'' سے باب استفعال کے ماتحت بصیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف عورت کا ہاتھ تھامنے کا ذکر نہایت بلیغانہ انداز میں آیا ہے۔ ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع ''مال'' ہے۔ جس کی ''مُحْصِنِينَ'' کے ذمہ ادائیگی بصورتِ مہر لازم ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور مد میں ادائیگی کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔ اب رہا ہاتھ تھامنے کا عمل تو یہ بات قبل ازیں لفظ ''نکاح'' سے تعبیری بیان کے تحت لانے کی بجائے ''مُحْصِنِينَ'' کہہ کر لفظِ ''اِحْصَان'' کے تحت لائی جا چکی ہے۔ ''نکاح'' جیسے عام مستعمل اور مروجہ کلمہ سے اور روایتی اسلوب وطرزِ ادا سے یہ اعراض وعدول بے وجہ اور بے مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قرآنِ حکیم نے اس مقام پر جو معجزانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس کی جامعیت و مانعیت کو لفظوں میں سمو دینا مشکل ہے۔ اگر یہاں ''مُحْصِنِينَ'' کی جگہ ''نَاكِحِينَ'' کا کلمہ آیا ہوتا یعنی یہ کہ نکاح کا لفظ استعمال ہوا ہوتا تو نکاح دائمی کے ساتھ ساتھ نکاحِ مؤقت کی بیخ بھی لگائی جا سکتی تھی۔ مگر قرآنِ حکیم نے اس کے تمامی راستے مسدود کر دیے ہیں۔ اب رہا معاملہ ''اِحْصَان'' کا تو یہ باقاعدہ شریکہ حیات کے طور پر ہاتھ تھام کر کسی عورت کو قلعہ عمرانی کی مضبوط فصیل کے تحت لانے کا عمل ہی رہ جاتا ہے۔ یہ ''اِحْصَان'' ایک ایسا قلعہ ہے جس کی فصیل میں کوئی چھید ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اب کوئی بھی وقتی اور عارضی معاملہ خواہ اس کی شکل حلالہ مروجہ کی ہو یا کسی نکاحِ موقت کی اب اس میں کسی طرح سے شامل و داخل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ ''اِحْصَان'' کی مانعیت و معنویت ہی پوری طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے باطل ہو کر رہ جائے گی۔ اور پورے طور پر اس ''اِحْـصَـان'' کے تقاضوں پر عمل ممکن نہیں ہوگا۔اس قرآنی اسلوب بیاں سے نکاح موقّت کی جڑ تو پوری طرح سے کٹ جاتی ہے۔اب ''اِسْتَمْتَعْتُمْ'' سے مراد جیون ساتھی کے انتخاب و چناؤ کا عمل ہی باقی رہ گیا ہے۔اس کو آپ کی مرضی ہے ''شریکۂ حیات'' کہیں یا ''حیات کا سرمایہ بنا لینے سے تعبیر فرمائیں اور اگر جی چاہے تو ''دائمی متاعِ حیات'' بھی کہہ سکتے ہیں۔مقصود فقط ایک ہی رہ جائے گا کہ جن جن عورتوں کا تم نے بطورِ جیون ساتھی اپنے لیے چناؤ کر لیا ہے اور ان سے بطورِ متاعِ حیات فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو مہر کی ادائیگی لازم جانو۔ لفظِ ''اِسْتَـمْـتَـعْتُمْ'' بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ ''اِسْتَـحْـلَـلْتُمْ'' اس کا مطلب ہوتا ہے ''اپنے لیے حلال کر لینا''۔اور ''اِسْتَـمْـتَـعْتُمْ'' کا مطلب ہے ''اپنے لیے متاعِ حیات بنا لینا''۔کسی وقتی کارگزاری کی طرف مائل ہونے والے ذہن پوری طرح سے غلطی پر ہیں۔

فقہائے کرام کے ہاں متون فقہیہ میں مہر کی جو توجیہ پیش کی گئی ہے وہ تعبیرات و تصریحاتِ مندرجہ بالا سے پورے طور پر متاثر نظر آتی ہے مگر اس کا قرآن حکیم کی صراحتوں اور زمینی حقیقتوں سے کوئی جوڑ نہیں بنتا۔یہ سب مہر کی حقیقت تک رسائی پیدا کرنے کے عمل میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ مہر ایک گم گشتہ اور فراموش کردہ حقیقت ہے۔مہر دراصل فقہی سے زیادہ ایک عملی عائلی و سماجی قضیہ ہے۔اسی سرزمین پر اور اسی تناظر میں اس کی درست تعبیر و تشریح ممکن تھی۔اس کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ اس کی حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جا سکا ہے۔اس نکتے پر غور تو بہر طور لازم تھا کہ قرآنِ حکیم نے مرد کے ذمہ مہر کی ادائیگی کو لازم کیا ہے۔عورت و مرد کی مالی حیثیتوں تک کو نظر انداز کیا گیا ہے۔اور اس پر پہرا دینے کی اس قدر تاکید کیوں کی گئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حقِ مہر معاشرتی ارتباط کی خشتِ اول ہے۔ اسی ایک شے پر سماجی و معاشرتی ارتباط کی عالی شان عمارت اپنی پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ استادہ و استوار ہے۔چنانچہ ہمارے معاشرے میں ہوا یہ ہے کہ پہلے تو اس حقِ مہر کے حقیقی تصورات مسخ ہوئے ہیں۔اس کی غیر شرعی و غیر عقلی تعبیرات منظرِ عام پر آئی ہیں۔شرمندگی و جگ ہنسائی کے راستے ہموار ہوئے ہیں۔اور پھر اسوۂ رسولِ مکرم ﷺ کے تحت تشکیل پانے والی معاشرت کا جوڑ جوڑ کھل گیا ہے۔اور اب تک صورتحال یہ ہے کہ اس معاشرت کا پورا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے۔بہتری اور بحالی کی امید بھی معدوم ہوتی جا رہی ہے۔تدارک و تلافی کی بس ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ صورت یہی ہے کہ حقیقتِ مہر کو کھوج کر منظرِ عام پر لایا جائے۔ اور اس کے آگے حائل جملہ حجابات زائل کر دیے جائیں۔ یہ حجابات خیرِ امم کی عظمت و شان کے لائق بھی ہرگز نہیں ہیں۔مثال کے طور پر صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

اَلْمَهْرُ وَاجِبٌ شَرْعًا إِبَانَةً لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِهِ لِصِحَّةِ النِّكَاحِ (۱۰)

ترجمہ: مہر ازروئے شرع واجب محکم ہے، محل خاص کے شرف کے اظہار کے لیے۔تو نکاح کی صحت و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درستگی کے لیے یہ حقِ مہر کسی ذکر کا محتاج نہیں ہے۔

فقہائے احناف کی صف میں سے متاخرین میں علامہ شامی کا پایہ بہت بلند اور اپنا ایک مقام ہے۔ آپ کی فقہی خدمات بے پایاں اور معتبر، معروف اور متداول ہیں۔ حقِ مہر کے ضمن میں آپ کے رجحان کا عکاس حسب ذیل اقتباس ہے۔ فرماتے ہیں:

عَرَّفَ الْمَهْرَ فِی الْعِنَایَةِ بِأَنَّهُ اسْمٌ لِّلْمَالِ الَّذِیْ یَجِبُ فِیْ عَقْدِ النِّکَاحِ عَلَی الزَّوْجِ فِیْ مُقَابَلَةِ الْبُضْعِ. (۱۱)

ترجمہ: صاحبِ عنایہ نے مہر کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ نام ہے اس مال کا جو عقدِ نکاح کی صورت میں محل جماع کے بدلے مرد پر لازم ہوتا ہے۔

اس کے مدنظر اس دعویٰ کی توثیق ہو جاتی ہے کہ مہر کی حقیقت ایک غیر دریافت شدہ حقیقت ہے۔ گم گشتہ و فراموش کردہ۔ اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض طفلانہ ہے۔ اور علامہ شامی نے بھی اپنے قول کے آخر میں ''تَـأَمَّـل'' کہہ کر فقط سوچتے رہنے اور غور و فکر کا راستہ دکھانے پر ہی اکتفاء کیا ہے۔

مہر کی اُصل حقیقت یہ ہے کہ شادی اور نکاح کے بندھن میں بندھ جانے سے قبل عورت پوری طرح سے آزاد بھی ہوتی ہے اور خود مختار بھی۔ وہ جس کو چاہے اپنے جیون ساتھی کے طور پر اس کا چناؤ کر لے۔ کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ نہ ہی اُصولی طور پر اس کے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں کوئی حائل یا مزاحم ہونے کا مجاز ہے۔ ورنہ اس کی آزاد اور خود مختار حیثیت متاثر و مجروح ہوگی۔ عورت اگر اپنی خوشدلی سے آمادہ و رضا مند نہ ہو تو جبر و اکراہ کے تحت نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوتا۔ بھلے سے اس کی رخصتی بھی ہو جائے وہ عورت اس مرد کے لیے بدستور غیر محرم ہی رہے گی۔ مگر جب کوئی عورت اپنے اس حق اور اختیار کو اپنی آزاد مرضی اور خود مختار حیثیت سے استعمال کر لیتی ہے اور اپنے لیے شریک حیات کے طور پر کسی ایک مرد کا انتخاب کر لیتی ہے تو معاملہ یہ ہے کہ دراُصل اس عورت نے اپنی ''خود مختارانہ حیثیت'' کو اپنے شوہر کے پاس گروی رکھ کر اپنا گھر بسایا ہے۔ نہ کہ اپنا کوئی جسمانی عضو دے کر۔ یہ گھر بسا کر یہ عورت سماجی و معاشرتی رشتوں کے ایک جال میں آ جاتی ہے۔ اور اس کی عزت و آبرو پوری طرح سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اسی شے کو قرآن حکیم نے '' اِحْصَان '' سے تعبیر کیا ہے۔ اب اگر نظریۂ ''اِحْـصَـان'' کو معاشرتی ارتباط کے تناظر میں دیکھا جائے تو نتیجہ یہ ہے کہ وہ عورت اپنا ہاتھ جس مرد کے ہاتھ میں ایک بار دے دیتی ہے اس کے تابعِ فرمان ہو جاتی ہے۔ اور اس کے عقدِ نکاح میں پوری طرح سے بندھ جاتی ہے۔ حیثیت کی اس تبدیلی اور نکاح کے انعقاد کے بعد وہ آزاد تو پورے طور پر اب بھی ہے۔ مگر اب کلی طور پر وہ ''خود مختار'' نہیں رہی ہے۔ بلکہ تابع فرمان ہے اپنے شوہر کی۔ تا آنکہ وہ اس عقدِ نکاح کو توڑ کر اس سے الگ ہو جائے۔ اور اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود اختیاری حیثیت کو پھر سے بحال کر لے۔ گویا یہ حالت عین ضد ہے ''طلاق'' اور اس کے مراد و مفہوم کی۔ طلاق سے مراد بھی دراصل عورت کی خود اختیاری حیثیت کی بحالی ہی ہے۔

نکاح کے موقع پر مرد حق مہر کی صورت میں یہ خاص رقم عورت کو ادا کرتا ہے اور ادا کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ کہیں اور کبھی نہیں ہوتا کہ عورت کے ذمہ ایسی کسی رقم کی ادائیگی کو لازم کیا گیا ہو۔ اس میں فرض وہ مقدار ہے جس پر فریقین خوشدلی سے رضامند ہو جائیں۔ لہٰذا مقدار میں کمی و زیادتی بھی ہو سکتی ہے۔ اب یہی ادائیگی مہر کہلاتی ہے۔ اور مرد کے ذمہ اس کا لزوم پوری طرح سے امر کی بھی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ کوئی ہدیہ، تحفہ یا عورت کا دل جیتنے کی کسی کوشش سے بہت مختلف شے ہے اور اپنا ایک معین بدل رکھتا ہے۔ مگر جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں صنفِ نازک کی ہتک ہے۔ لہٰذا لذت کوش ذہنوں کے لیے یہ تعبیرات بہت پُرکشش ہو سکتی ہیں۔ ملت کی حیاتِ اجتماعی کے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ بہت بے معنی سی باتیں ہیں۔ ''حق مہر'' دراصل عورت کا اپنی ''خود مختارانہ حیثیت'' سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو ایک شخص معین کے تابع فرمان بنا دینے کا زرِ بدل ہے۔ متعدد قرآنی نصوص بھی اسی نکتۂ نظر کی مؤید ہیں۔ اور اس امر کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عقدِ نکاح کے خاتمہ کو ''طلاق'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے ''عورت کی خود مختار حیثیت کی بحالی'' یہی وجہ ہے کہ عورت اگر نبھانے پر رضامند نہ ہو تو عقدِ نکاح سے نکلنے کے لیے اس کو جو راستہ دیا گیا ہے اس کو ''خلع'' کا نام دیا گیا ہے۔ خلع کا لفظی معنی ہے: اپنے گلے سے کسی کی اطاعت کا جوا اتار دینا۔ علامہ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں:

اَلْخُلْعُ (هُوَ) لُغَةً اَلْاِزَالَةُ. وَاسْتُعْمِلَ فی إزالة الزوجية بالضم وفی غيره بالفتح وشرعا كما فی البحر (إزالة ملك النكاح) (۱۲)

ترجمہ: خلع سے از روئے لغت مراد ہے دور اور زائل کرنا۔ اور یہ کلمہ زوجیت کے ازالہ کے لیے خ کی پیش کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جبکہ دیگر چیزوں کے ازالہ کے لیے خ پر زبر کے ساتھ مروّج ہے۔ اور از روئے شرع، جیسا کہ البحر الرائق میں لکھا ہے، ''ملکِ نکاح کے ازالہ'' کو ''خلع'' کہتے ہیں۔

یہ ملکیتِ نکاح و زوجیت بنیاد تھی اس عورت پر شوہر کی اطاعت کے لزوم کی۔ چنانچہ اس زوجیت و اطاعت کی قلعہ بندی سے باہر نکلنے کے لیے قرآن حکیم نے جس اسلوب میں بات کی ہے وہ بھی بہت غور طلب اور معنی خیز ہے۔ اور اسی مؤقف کا مؤید بھی ہے جس کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کے عورت علیحدگی کی خواہشمند ہے تو مہر واپس کرے۔ پورا یا کم، یہ فریقین کی مرضی پر موقوف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (بقرہ :۲۲۹)

ترجمہ : طلاق دوبار ہی ہوگی، پھر اس کے بعد دستور کے مطابق روک لینے کا عمل ہے یا عمدگی سے رخصت کر دینے کا، اور حلال نہ ہوگا تمہارے لیے کہ جو کچھ بھی ان عورتوں کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لے لو، سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کے فطری قوانین کی پابندی نہ کر سکیں گے، تو اگر یہ اندیشہ ہے کہ دونوں باہم فطری اصولوں کی پاسداری نہیں کر سکیں گے تو گناہ معطل کر دیا گیا ہے دونوں کے سر سے ہر اس چیز کے معاملے میں کہ جو بھی وہ عورت فدیۂ ادا کرے، یہ اللہ کے بنائے ہوئے فطری قوانین ہیں، تو تم ان کو مت پھلانگنا، اور جو بھی ان فطری قوانین کو توڑے گا ان سب کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

عقدِ نکاح کے انعقاد اور معینہ مہر کی ادائیگی یا ادائیگی کا وعدہ کر لینے کے بعد شوہر اس عورت کا پورے طور پر مالک تو نہیں بن جاتا البتہ بالا دست ومختار کار یعنی ناظم الامور ضرور ہو جاتا ہے۔ انسان انمول ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت قیمتۂ نہ خریدے جا سکتے ہیں اور نہ ہی بیچے جا سکتے ہیں۔ ان کی قیمت لگائی ہی نہیں جا سکتی نہ کوئی یہ ادائیگی کر سکتا ہے۔ بناء بریں عورت کی خود مختاری کے بدلے میں حق مہر ایک ''مالیتی ٹوکن'' ہے۔ یہ نہ تو عورت کا ثمن حقیقی ہے اور نہ ہی ثمن عرفی ہے۔ بلکہ ایک علامتی ثمن ہے۔ جو کسی فردِ خاص کو ایک معین قبضہ وتصرف کے حقوق کی منتقلی کے لیے بطورِ علامتی ثمن ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مرد وعورت کی مالی حیثیتوں کے فرق وتفاوت کا لحاظ اس طرح رکھا گیا ہے کہ حق مہر کی شریعت نے کوئی مخصوص مقدار مقرر نہیں کی ہے بلکہ اس کو فریقین کی باہمی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ شرعی مہر کی اصطلاح محض ایک مغالطہ ہے۔ اور حکمتِ قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم میں حق مہر کے لیے کسی ایک تعبیری اسلوب کو ہی منتخب لینے یا مختص کرنے سے گریز پر نظر کر لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کا مقصود یہ ہے کہ حق مہر کو من حیث الکل کسی طرح سے عورت کا ثمن نہ فرض کر لیا جائے۔ اس کی ادائیگی سے عورت فقط زیرِ فرمان ہی ہوگی۔ تو دوسرے ہاتھ یہ مرد کی دینی واخلاقی اور سماجی و معاشرتی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ بیوی بچوں کی ہر طرح سے دیکھ بھال کرنا اس کے ذمہ لازم اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اور کسی کوتاہی یا بدعملی پر جس طرح اپنی زیر دست بیوی سے باز پرس کرنے کا وہ مجاز بنایا گیا ہے اسی طرح سے اس کو بھی بارگاہِ رب العزت میں سخت حساب کتاب کا سامنا ہوگا۔ قرآن حکیم میں ارشادِ پاک ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم :۶)

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔

بصورتِ نکاح واحصان، عورت نے اپنی آزاد اور خود اختیاری حیثیت کو اپنے شوہر کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ مہر اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز کا زرِ بدل ہے۔ بالفاظِ دیگر عورت نے دراصل ایک ایسے معروف سماجی و معاشرتی بندھن میں خود کو باندھ لیا ہے جو کہ معاشرتی ارتباط اور ضبط و انقیاد کی اساس ہے۔ اسی بندھن کو عقدِ نکاح و احصان کہتے ہیں۔ اور اس کے اصول و مبادی اور قواعد و ضوابط طے شدہ اور معروف و مشتہر ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان سماجی و معاشرتی اقدار روایات اور اصول و ضوابط کی ان میاں بیوی کے اوپر بالادستی قائم ہوگئی ہے۔ عورت نے اپنے جملہ امور و معاملات اپنے خاوند کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اس مرد کی اطاعت اس پر لازم ہوگئی ہے۔ یوں ایک معاشرتی رشتہ سے ایک گرہستی نظام معرضِ وجود میں آیا ہے۔ معاشرتی حوالے سے دیکھا جائے تو ارتباط کی طلبگار ایک بنیادی اکائی معرضِ وجود میں آنے سے معاشرتی ارتباط کی ہی بنیاد قائم ہوئی ہے۔ اور گرہستی کے جملہ معاملات میں ناظم الامور کا منصب شوہر کے پاس چلا گیا ہے۔ گھر اور خاندان کے اندرونی معاملات میں عورت کے کردار و عمل کی حدود و قیود طے ہوگئی ہیں۔ ایک شخص معین کے ساتھ نکاح کے اس بندھن کے نتیجے میں اب وہ عورت آزاد اس معنی میں ہے جو معنی کہ ضد ہے باندی کی۔ اور اب وہ کلی طور پر خود مختار نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ معاشرتی اور گرہستی قواعد و ضوابط اور حدود و قیود کی پابند ہوگئی ہے۔ اور شوہر کی ماتحتی میں اس معنی میں ہے کہ اس کی ہدایات کی پابند اور اس کے سامنے جوابدہ ہوگی۔ اور شوہر کو اس کی کسی غلطی و کوتاہی یا نامناسب عمل پر باز پرس کرنے کا حق و اختیار حاصل ہوگیا ہے۔ غور کیجیے! مرد جب تک اس عورت کے لیے غیر محرم تھا اور یہ عورت اس کے عقدِ نکاح میں نہیں آئی تھی تو معاملہ یکسر مختلف تھا۔ کسی سوال و جواب اور سزا و سرزنش کا اسے کوئی حق و اختیار حاصل نہیں تھا۔ حد یہ کہ ایسا کوئی اختیار استعمال کرنا جرم تھا۔ مگر اب اس عورت کی زمام کار اس مرد کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن حکیم کے اندر اس امر کی صراحتیں موجود و محفوظ ہیں۔ مثلاً اس تحکم و بالادستی کے قیام و اظہار کا ضابطہ، قرآن حکیم کی آیۂ متذکرہ بالا کے حسب ذیل کلمات میں بصراحت وارد و موجود ہے:

وَالّٰتِی تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (النسآء : ۳۴)

ترجمہ: اور جن عورتوں کی بدمعاملگی کا تمہیں اندیشہ دامن گیر ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان کا بستر چھوڑ دو اور ان کو جسمانی سزا تک دو تو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت اختیار کرلیں تو پھر تم ان کی ایذا رسانی کے بہانے مت تلاش کرو یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہی سب سے بلند و بڑا ہے۔

عہدِ جاہلی کے قبائلی معاشرہ میں عورت پوری طرح سے اپنے خاوند کے رحم و کرم پر ہی ہوا کرتی تھی۔ مرد اس کے ہر سیاہ و سفید کا مالک و متصرف اور مختار کل ہوا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی لختِ جگر کو اپنے سامنے زندہ درگور ہونے کے لیے جاتے ہوئے دیکھا کرتی تھی اور بے بسی کی تصویر بنی کھڑی کی کھڑی ہی رہ جایا کرتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے جو معاشرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشکیل دیا اس کا مابہ الامتیاز یہ تھا کہ عورت کو ایک انسان کامل کا درجہ مل گیا۔ اس کی حیثیت بھی اس کو واپس مل گئی۔ اور اس کے چھنے ہوئے جملہ حقوق واختیارات بھی بحال ہو گئے ہیں۔ عزت وآبرو اور جان ومال تک کی حفاظت ''اِحْصَان'' کے باعث ممکن بلکہ یقینی ہو گئی ہے۔ اور اس طرح سے اس کو ایک باعزت وباوقار حیثیت کے ایک ذمہ دار فرد کے طور اپنے معاشرے میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کے قابل بنا دیا گیا ہے۔

اس ضمن میں اسوہ رسول کریم ﷺ کے تحت قائم ہونے والی اس معاشرت کے بنیادی اصول بہت واضح ہیں۔ گھریلو معاملات میں عورت کی ایک واضح حیثیت اور اس کی ذمہ داریوں کا تعین بھی فرما دیا گیا ہے۔ اور عورت کی عزت ووقار کی بحالی کے ساتھ ساتھ گھریلو سطح پر ضبط وانقیاد کے قیام کی ضرورت کے تحت مرد کو اس کا ''قَوَّام''، یعنی: ناظم وضابط بنایا اور قرار دے دیا گیا۔ یہ عمل دراصل معاشرتی ارتباط کی ایک ناگزیر شرط تھی جس کا پورا ہونا ازبس ضروری تھا۔ اس نظریے کی اپنی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر قائم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النسآء: ۳۴)

ترجمہ: مرد، عورتوں پر ناظم وضابط کی حیثیت کے حامل ہیں، قدرت کے اس اصول کے تحت جس کی رو سے اس نے ان میں سے بعض کو بعض دیگر پر فضیلت وفوقیت عطا کی ہے اور اُس مہر کی بدولت جسے وہ اپنے اموال سے فراہم کر کے لگا چکے ہیں۔ تو اس کے نتیجے میں راست فکر وعمل والیاں تابع فرمان ہوتی ہیں، مخفی معاملات میں بھی اس شے کی حفاظت کرتی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ نے حکم دے رکھا ہے۔ ''بِمَا'' کے ذیل میں لا کر آیہ مندرجہ بالا نے دو بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ قانون قدرت کے تحت لوگوں کو چھوٹے بڑے کی تقسیم کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت اور تفوق و برتری قدرت نے ہی عطا کی ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر تحکم وبالادستی دی گئی ہے۔ تاکہ ان سب کو ایک نظم کے تحت باقاعدہ طور پر اوپر نیچے، ایک ہی ڈوری میں پرو دیا جائے۔ ایسے ہی جیسے ایک گراں قدر ہار کے بیش قیمت موتی ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی حیثیت ہوتی ہے۔ کمی بیشی بھی یقینی امر ہے۔ لہٰذا افرادِ انسانی کے مابین کسی ایک یا خاص جگہ ومنصب کے حصول کے لیے جھگڑا رہے گا تو نظم قائم ہونا ممکن ہی نہیں رہ جائے گا۔

''بِمَا'' کے ذیل میں بیان ہونے والا دوسرا اصول یہ ہے کہ مرد نے اپنے پلے سے ایک زرِ خاص صرف کر کے اس عورت پر اپنی بالادستی قائم کرتے ہوئے اس پر اطاعت وفرمانبرداری کو لازم کر لیا ہے۔ اب وہ عورت اس کے سامنے مسئولیت کے دائرے میں ہے۔ آیتِ کریمہ میں وارد کلمات: ''**بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ**''، یعنی: اور اس مالِ مہر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدولت جسے وہ اپنے اموال سے فراہم کر کے لگا چکے ہیں''۔ اس حکم میں عام معمول کا نان و نفقہ ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔ مگر بعض مفسرین کا دھیان اس طرف بھی چلا گیا ہے۔ مثلاً ابوالاعلیٰ مودودی نے اس ترکیب کا جو ترجمہ اختیار کیا ہے اس میں ''اَنْفَقُوْا'' کے فعل ماضی کا خیال نہیں رکھا گیا اور ترجمہ وہ کیا گیا ہے جو کہ فعل مضارع کی صورت میں ہوتا ہے۔ یعنی: ''اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں'' (۱۳) اور جیسا کہ پیر کرم شاہ الازہری کا رجحان بھی اسی طرف ہے (۱۴)۔ آپ نے بھی فعل مضارع کا ترجمہ ہی اپنایا ہے۔ اس کی وجہ سے مہر کے علاوہ کے دیگر اخراجات و مصارف اور نفقہ و سکنیٰ وغیرہ بھی اس ترکیب کے ذیل میں آ گئے ہیں۔ ہر کلام کا معنی و مفہوم اس کا موقع و محل خود متعین کرتا ہے اور ایسا تعین کر دیتا ہے کہ سرمو انحراف کی گنجائش نہیں رہنے دیتا۔ یہ موقع ہے وجوہ ماتحتی کے بیان کا۔ پھر فعل ماضی کے انتخاب نے ماضی کے کسی عمل کو تو خوب مشخص کر دیا ہے۔ البتہ ماسوا ذلک کو کاٹ کر الگ کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ حال اور مستقبل بھی اس میں کسی طرح سے شامل نہیں کیے جا سکتے۔

جس لمحے عورت نے اپنا ہاتھ دیا اسی لمحے یہ قانون نافذ العمل ہو گیا ہے۔ ابھی اس نے مرد کے گھر سے کھایا پیا یا لیا دیا کچھ بھی نہیں ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ بس ایک ہی کہ ماضی میں ہاتھ تھامتے وقت مرد نے عورت کو ایک خاص و معین رقم ادا کی ہے یا ادائیگی طے ہو گئی ہے جسے حق مہر کہتے ہیں۔ یہ ادائیگی خواہ اپنی مالیت کے اعتبار سے کم ہو یا زیادہ صرف مرد کے ذمہ لازم کی گئی ہے۔ اور یہ ادائیگی عورت کو کی جاتی ہے۔ لہٰذا پورے طور پر ثابت اور طے ہو جاتا ہے کہ یہ مہر یقینی طور پر بدل ہے عورت کی جانب سے کسی نہ کسی چیز کا۔ اور وہ ہے: ''اپنی خود اختیاری حیثیت سے دستبردار ہو کر مرد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا اور اس کی اطاعت اختیار کر لینا''۔ ان تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے سوچا جائے یا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو آیتِ بالا سے نتیجہ بس ایک ہی برآمد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس سے مراد فقط ''مہر کی رقم'' ہی ہے۔ لہٰذا اس بات کا ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ یہاں فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ''اَنْفَقُوْا'' لایا گیا ہے۔ جبکہ عادت و معمول اور عام روایت کے لیے فعل مضارع کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر نان و نفقہ مراد ہوتا تو اس کی جگہ ''یُنْفِقُوْنَ'' کا کلمہ استعمال ہوتا جس کا معنی ہے: وہ سب خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ مقام اس امر میں بہت واضح اور صریح ہے کہ مہر دراصل ایک عورت کی خود مختاری کا بدل ہے۔ حتیٰ کہ اگر مہر کی ادائیگی کر چکنے کے بعد کفالت اور نان نفقہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں بھی ہوتا تو اگرچہ یہ بھی ایک غیر شرعی اور قطعی نامناسب اور قابل گرفت عمل ہی ہے مگر پھر بھی عورت کے لیے حیطہ اطاعت سے نکلنے کا کوئی جواز مہیا نہیں کرتا۔

مگر یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ بھی مسلم ہے کہ یہ اطاعتِ مملوکانہ اور لامحدود اطاعت یا عیاذاً باللہ تعالیٰ بندگی اختیار کر لینے کا عمل ہرگز نہیں ہے۔ اس اطاعت کی شریعت اسلامی کے دیگر اصول حد بندی کر دیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔مثلاً ایک اور اہم اور بنیادی اصول اس اطاعت وفرمانبرداری کی حد بندی اور وضاحت کر دیتا ہے۔وہ اصول یہ ہے کہ اطاعت صرف معروف میں ہے منکر میں نہیں۔بخاری میں حضرت علیؓ سے روایت ہے:

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً فَاسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَاَمَرَھُمْ اَنْ یُّطِیْعُوْہُ فَغَضِبَ فَقَالَ اَلَیْسَ اَمَرَکُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تُطِیْعُوْنِیْ؟ قَالُوا: بَلٰی! قَالَ: فَاجْمَعُوْا لِیْ حَطَبًا فَجَمَعُوْا. فَقَالَ: اَوْقِدُوْا نَارًا. فَاَوْقَدُوْھَا. فَقَالَ ادْخُلُوْھَا. فَھَمُّوْا وَجَعَلَ بَعْضُھُمْ یُمْسِکُ بَعْضًا وَّیَقُوْلُوْنَ فَرَرْنَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَمَا زَالُوا حَتّٰی خَمَدَتِ النَّارُ فَسَکَنَ غَضَبُہٗ. فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: لَوْ دَخَلُوْھَا مَا خَرَجُوْا مِنْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ. اَلطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ.(۱۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا جس کا امیر ایک انصاری شخص کو بنایا گیا۔اور لوگوں کو اس شخص کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا۔کسی بات پر امیر سریہ غضبناک ہوگئے۔امیر نے لوگوں سے کہا: کیا نبی اکرم ﷺ نے تم لوگوں کو میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ لوگوں نے کہا: ہاں! کیوں نہیں؟ اُس نے کہا: جاؤ سوکھی لکڑیاں جمع کرو۔لوگوں نے جمع کرلیں۔اس نے حکم دیا کہ ان میں آگ بھڑکاؤ۔لوگوں نے آگ بھی بھڑکا دی۔تو امیر نے حکم دیا: اب تم سب اس میں کود جاؤ! اب کچھ لوگوں نے ہمت باندھ لی اور کچھ دیگر لوگوں کو یہ کہہ کر روکنے لگ گئے کہ ہم آگ ہی سے تو بھاگ کر نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف آئے تھے۔اسی گومگو میں آگ بجھ گئی۔اُدھر امیر لشکر کا غصہ بھی فرو ہو گیا۔ اس واقعہ کی خبر آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں داخل ہو جاتے تو پھر قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے۔اطاعت تو صرف ''معروف'' کے معاملے میں ہی لازم اور مشروع ہے۔

اس طرح یہ معاملہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ کس معاملے میں اطاعت کرنی ہے اور کس معاملے میں اجازت نہیں ہے۔یہ تمام عوامل مل کر ملت اسلامیہ کی معاشرتی ساخت کو پائیدار بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔اور وہ سازگار ماحول پیدا کرتے اور نظام تشکیل دیتے ہیں جس میں ہر فرد کا مقام و مرتبہ، حقوق و فرائض اور جملہ دینی و اخلاقی اور سماجی و معاشرتی ذمہ داریاں پوری طرح سے طے ہو جاتی ہیں۔نہ اب عہدِ جاہلی والا وہ ''حکم'' باقی رہا ہے۔نہ ہی ویسی اطاعت کی اجازت باقی رہی ہے۔اسلام کے ماننے والوں میں اللہ کی دی ہوئی شریعت اور اسوۂ رسول کریم ﷺ کے فلسفۂ حکم و اطاعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حدود سے خارج و ماورآء کوئی فرد نہیں ہے۔ انہی ذمہ داریوں اور فرق مراتب کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ. وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ. وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ. وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ (۱۶)

ترجمہ: خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک ذمہ نگہبان کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ یعنی ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔ یوں ایک حکمران اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور انکی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ مرد اپنے اہل، خانہ کے معاملے میں نگہبان ہے اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کے معاملے میں ذمہ دار و نگہبان ہے اور ان کے معاملے میں جواب دہ ہوگی۔ ایک خادم اپنے آقا کے مال کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا۔ اس لئے، خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت یعنی ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔

اسوہ رسول کریم ﷺ کے تشکیل کردہ اس ماحول و معاشرے میں اور دین فطرت کی جملہ قدروں کی روشنی میں یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ میاں بیوی دونوں کا معاملہ کسی ایک فریق کے یک طرفہ یا باہمی طور پر فقط لذت کوشی کا معاملہ ہرگز نہیں ہے۔ حاشا وکلا۔ یہ سراسر وقتی اور قطعی ناپائیدار چیزیں ہیں۔ حقیقت میں میاں بیوی کا جوڑ اور ملاپ معاشرے کو ایک نئی پیڑھی اور نئی نسل کی طرف بڑھنے میں مدد دینے والا حد درجہ لائق احترام و تکریم اقدام ہے۔ بایں طور یہ ایک معاشرے کی ایک لامتناہی زنجیر کی ایک صحت مند کڑی اور حلقہ ہے۔ ایک بنیادی اکائی ہے۔ جس کا داخلی ارتباط حق مہر سے مربوط ہے۔ اور جس میں حسن انتظام کو بحال رکھنے کے لیے زمام کار مرد کے ہاتھوں میں دی گئی ہے۔ زمام کار مرد کے ہاتھوں میں دیئے جانے کی وجہ اس کا عمومی وژن بھی ہے۔ عورت، آزادانہ گھر سے باہر اور ادھر اُدھر آ جا نہیں سکتی۔ یہ اس کی صنفی ضرورت بلکہ مجبوری ہے۔ اس لیے اس کی سوچ کی بنیاد ہمیشہ صحت و درستی پر اور تازہ دم معلومات پر مبنی نہیں رہ سکتی۔ استثنیٰ کی شکلیں الگ ہیں اور ان کی بنیاد پر عمومی قوانین کی تشکیل ممکن نہیں ہوتی۔ چنانچہ دونوں میں شوہر بالادست اور حتمی حکم و فیصلہ کرنے کے معاملے میں آزاد بھی ہوتا ہے اور خود مختار بھی۔ بیوی تابع فرمان ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے ہر عورت یا لڑکی اس معاملے میں اس حد تک آزاد و خود مختار تھی کہ اپنے جیون ساتھی کے طور پر وہ جس شخص کا چاہے انتخاب کرے کوئی دوسرا اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو ظلم ہوگا اور وہ ظالم ہی کہلائے گا۔ قرآن حکیم نے اس امر کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صراحت کر رکھی ہے۔ طلاق وخلع کے احکام کے ساتھ متصل یہ کلمات بہت واضح طور پر اس امر کو متعین کر دیتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے :

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرۃ :۲۲۹)

ترجمہ : یہ اللہ کے بنائے ہوئے فطری قوانین ہیں تو تم ان کو مت پھلانگنا، اور جو بھی ان فطری قوانین کو توڑے گا ان سب کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہر شخص اپنے ہر کیے کے معاملے میں اپنے رب کی بارگاہ میں جوابدہ ہے۔ اس کا لازمی تقاضا ہر مکلّفِ شرع کا اپنے حقِ آزادی کا آزادانہ استعمال ہے۔ اور چونکہ کسی باقاعدہ تنظیم میں شمولیت اختیار کیے بغیر ذمہ داریوں کا درست تعین نہیں ہوتا کہ پتا چل سکے کون کس وجہ سے کس کے معاملے میں کس حد تک جوابدہ ہے؟ لہٰذا افرادِ انسانی کو ایک وحدت میں لانا اور ایک ہار کی طرح پرو دینا ناگزیر ہے۔ اس وحدت کے تقاضوں اور اس میں شمولیت کے بغیر کوئی کسی اور کی جگہ جوابدہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ بیوی کے معاملے میں شوہر بارگاہِ حق میں جوابدہ ہے۔ لہٰذا یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ پوری طرح سے مکلّف ہو جانے کے بعد کسی کو کسی کے اوپر تنظیم کی ضرورتوں سے ماورآء اپنی مرضی مسلط کرنے کا بھی کوئی حق ،کوئی اختیار اور کوئی جواز نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے لوحِ عالم کی جبیں پہ جلی جروف میں رقم فرما دیا ہے:

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (البقرۃ :۲۵۶)

ترجمہ : دین کے اصولوں کے تحت زندگی گزارنے کے عمل میں ہر طرح کی زور وزبردستی کا عمل باطل بے سود ہے اللہ کی دی ہوئی دانائی، گمراہی وجہالت سے الگ، نمایاں اور ممتاز ہو کر نکھری اور سنور گئی ہے۔ تو اب معاملہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی سرکشی کو چھوڑے گا اور اپنے ارادہ واختیار کے تحت اللہ پر ایمان لائے گا تو یقیناً وہ ایک مضبوط حلقے سے وابستہ ہو جائے جس کی شکستگی کا تصور ہی باطل ہے، اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس حق مہر کی بدولت معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر ایک خاندان معرض وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح مرد وعورت کے مراتب بھی معین ومشخص ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ توالد وتناسل اور اس کی ضرورتیں اور جملہ لوازمات عمل ازدواج کا لازمہ وخاصہ ہیں۔ یہ ان دونوں میاں بیوی کا باہمی، اور خالص نجی معاملہ ہے۔ شریعت اسلامی کی چھت ایک نیلگوں آسمان کی مانند وسیع وبیکراں ہے۔ اس چھت کے نیچے اور کئی چھتیں ہیں۔ گھر گرہستی الگ ایک چھت ہے۔ اور اس کے داخلی معاملات کو خوشگوار بنانے اور بنائے رکھنے کے لیے اس کے اپنے جداگانہ نوعیت کے فرائض و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واجبات اور مباحات و مکروہات ہیں۔ اور سب واضح بھی ہیں۔ لہٰذا جتنا گڑ ڈالیں گے مٹھاس اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اگر میاں بیوی دونوں یا کوئی ایک فریق کوئی تماشا لگاتا ہے تو بھی تجربہ کر کے دیکھ لے۔ تماشے لگانے سے سوائے ذلت و خواری اور بد نامی کے کسی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ البتہ قدرت نے عورت کو ساخت کے اعتبار سے یہ خصوصی امتیاز و برتری عطا کی ہے کہ چاہے تو اپنے مختارِ کار یعنی خاوند کو اپنی جانب متوجہ کیے رکھے۔ اور گرہستی کو خوشگوار بنیاد عطا کر دے۔ ایک سربراہ ہونے کے ناطے اگر وہ سمٹا رہا تو اس گرہستی کی وحدت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ خدانخواستہ اگر بکھر گیا تو کچھ نہیں بچے گا۔ چنانچہ گھر اور گرہستی کی خوشگواریت کا زیادہ تر انحصار عورت کے رویے اور طرزِ عمل پر ہے۔ دونوں کے سر عائد ہونے والی ان ذمہ داریوں سے انکار و فرار اس معاہدۂ عمرانی کے منافی ہونے کے باعث قابل گرفت عمل ہے۔ عقدِ نکاح اور حق مہر نے اس کے لیے جائز بنیادوں پر محض ایک ماحول پیدا کیا ہے اور حالات جاریہ کو ان دونوں کے حق میں سازگار بنا دیا ہے۔ نسب اور وراثت وغیرہ تک کے معاملات اس چھتری کے نیچے آکر حل ہو گئے ہیں۔ حق مہر مخصوص ازدواجی عمل یا تعلقات کا بدل یا قیمت ہرگز نہیں ہے۔ نہ ہی یہ سمجھا جائے کہ نکاح بس یہی کچھ ہے۔ آج کی یہ نوخیز اور نووارد لڑکی، جو بیوی بن کر آئی ہے، نسلوں کی ماں، وارث اور امین ہے۔ آنے والی نسلوں کی تعمیر میں اس کا کردار کسی بھی طرح سے نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ اس سارے معاملے کی اصل حقیقتیں تب واضح ہوں گی جب جذبات کا غبار آنکھوں کے آگے سے چھٹ جائے گا۔ اور جب پیش بینی اور بصیرت مہیا ہوگی۔ پھر تمامی مناظر نگاہوں کے سامنے آسکیں گے۔ فطرت کا قانون اور قدرت کی منشا یہ ہے کہ ایک روز یہ خاندان دیگر کئی خاندان پیدا کر کے خود تحلیل ہو جائے۔ لہٰذا ان وقتوں میں اس خاندان کی کل یافت کو بحیثیت مجموعی ناپا اور تولا جائے تو اسی برابر نکلے گا جتنا کہ گرہستی معاملات کی بہتری کے لیے عورت کی سمجھ و دانش کا قد کاٹھ تھا۔ کم نہ زیادہ۔ بھلے سے مرد آسمان کی بلندیوں کو چھو لے یا ہواؤں کو تسخیر کر لے۔ اس سے ایک خاندان کی تعمیر اور اس کو بلندیوں سے ہم آہنگ کرنے کے عمل میں عورت کے کردار کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عورت کی بے توقیری نسل کو بے توقیر کرتی ہے۔ اور مرد کی نگہداشت اور راجدھانی میں عورت کی دانشمندی، نفاست پسندی، سلیقہ شعاری اور اطاعت و وفاداری سے نسلوں کو نکھار ملتا ہے۔ بچوں کی ذہنی و جسمانی تعمیر و تربیت کا اصل مقام گھر ہی ہے۔ اسکول اور اسکولنگ کے بیشتر امور یہیں نمٹائے جاتے ہیں۔ یہیں سیرت و کردار عظمتوں اور رفعتوں کے سانچوں اور قوالب میں ڈھلتے ہیں۔ لہٰذا میاں بیوی کے مابین اعتماد کا فقدان ہو تو یہ سب کچھ داؤ پہ لگ جاتا ہے۔

مسلم خاندانی نظام کے اندر عہدِ جاہلیت کے قبائلی عرب معاشرے کی طرح نہ تو شوہر ہر سیاہ و سفید کا مالک اور مختارِ کل ہے۔ اور نہ ہی عورت اس کے پوری طرح سے مساوی یا اس کے حیطۂ اطاعت سے باہر ہے۔ لہٰذا طے شدہ حدود سے تجاوز خواہ کسی طرف سے بھی ہو اپنے پیچھے صرف ندامت و پشیمانی اور نقصان اور تباہی ہی چھوڑ کر جایا کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اس امر میں اب کسی طرح کا شبہ نہیں رہ جاتا کہ معاشرتی ارتباط کی خشتِ اول خاندان ہی ہے۔اور خاندان کی اپنی بنیاد ''حق مہر'' پر قائم ہے۔اس کی حقیقت کے مسخ ہو جانے سے اسلام کا دیا ہوا خاندانی نظام بگڑ گیا ہے۔اور ازیں بعد یہ بنیاد تباہ ہو جانے سے پوری کی پوری معاشرت ہی تباہ ہوگئی ہے۔اس مہر کے نتیجے میں آبرومندانہ انداز میں باہمی قربت اور قرابت کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔اس ''حق مہر'' سے ہی انسانی رشتوں کو ایک حقیقی اور ٹھوس بنیاد میسر آتی ہے۔انسان، انسانی رشتوں کے ایک پر پیچ نظام میں کچھ اس طور داخل ہوتا ہے کہ لازمی طور پر چار سو پھیلے ہوئے اس کے وجود کا ہی حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔حتیٰ کہ اس جال میں داخل ہونے والے ہر فرد کی اپنی ہستی غیر محسوس انداز میں اس میں ضم ہو کر ایک روز تحلیل ہو جاتی ہے۔اور یوں بالآخر ایک روز عدم کی وادی میں کھو جاتی ہے۔بس نسل کے نشان اور ان کے رشتے ناطے ہی باقی رہ جاتے ہیں۔یہ نظام حق ہے اور قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۔ (النحل:۷۲)

ترجمہ: اور اللہ ہی ہے جس نے تم ہی لوگوں میں سے تمہارے جیون ساتھی بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے ان جیون ساتھیوں کے ذریعے بیٹوں اور پوتوں کی شکل میں نسل جاری فرمائی ہے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے تو کیا پھر بھی یہ لوگ ایسے ہیں کہ باطل پر ایمان لا کر اس کو خود پر طاری کر لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں۔

انسان خود فنا ہو جاتا ہے۔اور یہ نسلیں، رشتہ داریاں اور قرابتداریاں باقی رہ جاتی ہیں۔خاندان کی صورت میں جب معاشرے کی اکائی فراہم ہو جاتی ہے تو غور کرنا چاہیے کہ لوگ رشتہ ناطہ کی وساطت سے، خواہ ایک دوسرے کے آس پاس ہی آباد ہوں یا دور، حتیٰ کہ دیگر بلاد و امصار اور ممالک میں ہی سکونت پذیر کیوں نہ ہوں، ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور مربوط رہتے ہیں۔یہاں بھی ''اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ''، یعنی ''سب سے پہلے وہ جو سب سے بڑھ کر قریبی ہے۔پھر اس کے بعد والا۔علیٰ ھٰذا القیاس، کے فطری اصول کی بالادستی ہے۔اور اس اصول کی بہر طور رعایت پوری طرح سے ملحوظ رہتی ہے۔یہ تعلق و واسطہ معاشرتی ارتباط کا اگلا زینہ بن جاتا ہے۔اور اس سے اگلا زینہ اڑوس پڑوس ہے۔یہ مقام ایسا ہے کہ قبائلی اور اسلامی معاشرت کا فرق یہیں سے واضح ہوتا ہے۔اس لیے ارتباط کے اگلے زینے اور مراحل ایک جداگانہ بحث کے متقاضی ہیں۔بہر نوع حق مہر کی حقیقت کو کھوجنا اور اجاگر کرنا اس لیے ناگزیر تھا کہ مسلم عائلی نظام میں اس کی خاص اہمیت ہے۔یہی معاشرتی ارتباط کی اصل بنیاد ہے۔اس کو مشخص و معلوم کیے بغیر معاشرتی ارتباط کی عمارت کی تعمیر ہی ممکن نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصہ کلام:

زیر نظر مقالہ میں قرآنی احکامات کے تحت اسوۂ رسول کریم ﷺ کی نگرانی میں قائم ہونے والے ''خاندان'' اور اس کی بنیادی ساخت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے یہ مقالہ مسلم معاشرے کی خشتِ اول یعنی ''خاندان'' اور بعد ازیں پوری مسلم معاشرت کے داخلی ربط کے مطالعہ کی بنیاد بھی ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ یہ صراحت کرتی ہے کہ مسلمان دنیا کی وہ سب سے بہترین امت ہیں جن کو بطور مثال دنیا والوں کے سامنے لایا گیا ہے۔یہ اعزاز صرف اسی صورت میں کسی قوم کو مل سکتا ہے جب وہ قوم داخلی اعتبار سے اپنی ہر سطح پر ہر لحاظ سے منظم بھی ہو، اس کے جملہ جوڑ بھی واضح اور طے شدہ ہوں اور اس کے افراد، گروہ اور ادارے پوری طرح سے باہم گر مربوط بھی ہوں گے۔لوگوں کے کسی غیر منظم اور بے ربط ہجوم کو ''ملت'' یا قوم کا نام دینا کسی طرح سے مناسب عمل نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے وہ بنیادی اصول اور ضابطے عطا کردیئے ہیں جو کہ ایک عالی شان معاشرت کی تعمیر میں پوری طرح سے ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ایک مثالی گرہستی اور اچھا خاندان، اچھی معاشرت کے قیام کی ناگزیر شرط کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کے بیان کردہ اصول اور ضابطے مسلم معاشرت کے ہر جوڑ کی بھی بہت عمدگی سے وضاحت کرتے ہیں۔اس مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیات ۲۲و۲۳ میں اور آیت ۲۴ کے ابتدائی حصے میں ان خواتین کی تفصیلی فہرست مذکور ہے جن سے مختلف وجوہ کے باعث شریعتِ اسلامی نے نکاح کے عمل کو حرام قرار دے دیا ہے۔''محرمات'' کی اس فہرست سے متصل یہ صراحت وارد ہوئی ہے: ''وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ'' (النسآء:۲۴) یعنی: ''اور حلال رکھی گئی ہیں ان کے ماسوا تمامی عورتیں کہ تم اپنے اموال کے بدلے ان حلال عورتوں سے نکاح کی چاہت وخواہش رکھو، پختہ طور سے نکاح کے بندھن میں باندھتے لاتے ہوئے نہ کہ بدکاری وکسی عارضی تعلق کے بطور''۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ عرفاً رائج کلمہ ''نکاح'' کی بجائے لفظِ ''احصان'' کا انتخاب کیا گیا ہے جس کی اپنی ایک خاص معنویت وافادیت ہے۔اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں ہے۔یہ مقالہ ان کلمات کے باہمی معنوی فرق پر بھی بہت عمدگی سے اور جامع وضاحت پیش کرتا ہے۔پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ بغرض نکاح حلال عورتوں کو ''اپنے اموال'' کے ذریعے باقاعدہ طور پر اپنے حصارِ نکاح میں داخل کرنے یا لانے کا حکم ہے۔جبکہ سورۂ احزاب کی آیت ۵۰ میں اہل ایمان پر واضح الفاظ میں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ کسی بھی عورت کو بلا مہر اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔یعنی کوئی مؤمنہ اگر خود کو ہبہ کردیتی ہے اور بلا مہر کسی مرد کے نکاح میں آنا چاہتی ہے تو مؤمنین پر یہ پابندی عائد کردی گئی ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس ہبہ یا بخشش کی اُس کی خواہش کے تحت بلا مہر اس کو اپنے نکاح میں لے ہی نہیں سکتے۔ حتیٰ کہ مرد کے مالی لحاظ سے بہت غریب اور عورت کے بہت زیادہ مالدار ہونے کی صورت میں بھی حکم یہی برقرار رہتا ہے۔ یوں مرد و عورت کی متفاوت مالی حیثیتوں سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے مرد کے ذمہ ہی حق مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر قرآن حکیم نے ''حق مہر'' کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ اس کی بے پناہ اہمیت آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے۔ ان تمامی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے جب سورۂ نساء کی آیت ۳۴ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ مسلم خاندانی نظام کی بنیاد دراصل ''حق مہر'' پر ہی قائم ہے۔ ساتھ ہی واضح قرآنی ہدایات و تعلیمات کے تحت یہ بھی طے اور مبرہن ہو جاتا ہے کہ ''حق مہر'' کے ضمن میں فقہی توجیہات اور دیگر قیاس آرائیاں قرآنی تصریحات کے منافی ہیں۔ اس مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم معاشرتی نظم کے دائرے میں حق مہر کی حیثیت چونکہ خشتِ اول کی ہے اس لیے جب تک اس کی حقیقت پر بے سرو پا قیاس آرائیوں اور ابہام کے پردے پڑے رہیں گے، مسلم معاشرت کو بھی کوئی واضح سمت اور ٹھوس بنیاد میسر نہیں آسکے گی۔ یہ مقالہ علامہ اقبال کے اس تصور کو بھی بہت خوبصورتی سے واضح شکل میں پیش کرتا ہے جس کو انہوں بایں الفاظ نظم فرمایا تھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

کچھ ناگزیر وجوہ کے باعث یہ مقالہ کافی دقیق ہو گیا ہے لہٰذا اس کے حقیقی فہم کے لیے بھی دقتِ نظری ہی کی ضرورت ہوگی۔ جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ بھی ہیں۔ بہر حال مسلم معاشرت کے قرآنی بنیادوں پر قیام و استحکام کی ناگزیر شرط یہ ہے کہ اس معاشرت کی ساخت کے تعلق سے قرآنی تصریحات اور اُسوۂ رسول کریم ﷺ کا ٹھوس دلائل کی بنیاد پر اکتشاف کیا جائے اور پھر کامل ادراک کے ساتھ ساتھ احترام بھی کیا جائے۔

کراچی، ۳۰، اگست ۲۰۰۱۴ء

ماخذ و مراجع

۱۔ ابن عابدین شامی، محمد امین، رَدّ المحتار علی الدر المختار، کوئٹہ، مکتبۂ رشیدیہ، طبع ثانی: ۱۴۰۴ھ، ص: ۲۱۲، ج: ۵

۲۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، مادّہ: ''م ہ ر''۔

۳۔ خواجہ، عبدالحمید، جامع اللغات، لاہور، اردو سائنس بورڈ، طبع دوم: ۲۰۰۳ء، ص: ۱۹۱۰، ج: ۲

۴۔ ابن کثیر اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر، بیروت دارالاندلس ص: ۳۹۸، ج: ۳، تفسیر آیت: نمبر ۳۷، سورۂ توبہ

۵۔ لوئیس معلوف، المنجد، مادّہ: ''زمم''

۶۔ الحصکفی، علاؤالدین، الدر المختار علی ہامش رد المحتار، کوئٹہ، مکتبۂ رشیدیہ، طبع ثانی: ۱۴۰۴ھ، ص: ۳۵۷، ج: ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، ابومحمد، سنن الدارمی، ملتان، نشر السنۃ، بلاسن طباعت، ص :۶۲، ح :۲

۸۔ ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویہ، برحاشیہ الروض الانف، ملتان، عبدالتواب اکیڈمی، بلاسن طباعت، ص:۳۵۱، ج:۲

۹۔ ترمذی، عیسیٰ بن سورہ، ابوعیسیٰ، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، بلاسن طباعت، ص:۱۳۹، ج:۱

۱۰۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن، الہدایہ، ملتان، شرکت علمیہ، بلاسن طباعت، ص :۳۲۳، ج:۱، ح :۲

۱۱۔ ابن عابدین شامی، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع ثانی :۱۴۰۴ھ، ص :۳۵۷، ج:۲

۱۲۔ الحصکفی، علاؤالدین، الدر المختار علی ھامش رد المحتار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع ثانی: ۱۴۰۴ھ، ص: ۶۰۴، ج:۲

۱۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، سینتالیسویں طباعت: جنوری ۲۰۰۸ء، ص:۳۴۹، ج:۱

۱۴۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، تفسیر ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۳۴۱، ج:۱

۱۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱ء، ص: ۶۲۲، ج:۲

۱۶۔ قشیری مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۲۲، جلد :۲

☆☆☆

© rasailojaraid.com